قانون توہین رسالتؐ اور انسانی حقوق

محمد عطاء اللہ صدیقی

امریکی وزارت خارجہ کی ایک رپورٹ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں عیسائی اقلیت کی حالت بیان کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو 'اپنا مذہب تبدیل کرنے کی اجازت ہے' لیکن مسلمانوں کا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا غیر قانونی ہے۔ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ۱۹۸۶ میں ۲۹۵۔سی قانون متعارف کرایا گیا جس کے تحت توہین رسالتؐ کی سزا موت مقرر کی گئی۔ امریکہ نے بار بار پاکستان حکومت سے توہین رسالتؐ قانون منسوخ کرنے کے لیے کہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر مسلموں سے کوئی زیادتی ہوئی تو پولیس ذمہ داروں کو سزا دینے میں ناکام رہی۔ اس سے غیر مسلموں میں سخت مایوسی پھیلی ہے۔

امریکی حکومت کے اس ناروا اور اشتعال انگیز مطالبے پر سخت ردعمل کا اظہار کیا گیا ہے۔ پاکستان کی رائے عامہ نے اسے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت اور قومی خودداری پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ رائے عامہ کے راہنماؤں نے حکومت کو خبردار کیا ہے کہ مسلمان اپنے نبی اکرمؐ سے بے پناہ عشق اور محبت کرتے ہیں اور آپؐ کی ناموس پر حملے کو کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ امریکہ کی طرف سے حکومت پاکستان کو قانون توہین رسالتؐ کو ختم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے امریکہ کے علاوہ انسانی حقوق کی مغربی تنظیمیں' ایمنسٹی انٹرنیشنل' دیگر ادارے اور مغربی ذرائع ابلاغ اس قانون کو تبدیل کرانے یا بے اثر بنانے کے لیے دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔ پاکستان مسلسل ان کے یک طرفہ جارحانہ پراپیگنڈے کا شکار رہا ہے۔ ۱۹۹۵ میں جب رحمت مسیح اور سلامت مسیح کیس سامنے آیا تو مغرب کی طرف سے مذکورہ قانون کی مخالفت میں شدید پراپیگنڈہ کیا گیا۔ ابھی یہ مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل پاکستان کے دورے پر آئے۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمانے کے بعد پہلا مطالبہ انھوں نے یہی کیا کہ حکومت پاکستان توہین رسالتؐ کے قانون کو ختم کرے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے نام نہاد مٹھی بھر علم برداروں کی طرف سے بھی خاصا واویلا کیا گیا۔ ایمنسٹی

انٹرنیشنل گذشتہ کئی برسوں سے اپنی سالانہ رپورٹوں میں اس مسئلے کو مسلسل اچھال رہا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کا معروضی جائزہ لیا جائے جو امریکہ اور مغربی لابی کے اس پر اصرار مطالبے کا باعث بنے ہیں:

۱- مغربی تہذیب کا اصل سرچشمہ مجرد عقلیت اور الہامی تعلیمات کی مجنونانہ مخالفت کی بنیاد پر برپا کی جانے والی سیکولر ازم کی تحریک ہے۔ گذشتہ پانچ سو برسوں میں مغرب کی اجتماعی نفسیات کے دھارے کچھ اس طرح تشکیل پائے ہیں کہ اس میں مذہب کی مخالفت کا فطری داعیہ پیدا ہو گیا ہے۔

۲- کلیسا کو فکری محاذ پر شکست دینے کے بعد مغربی دانشور مذہبی سکالر کو اپنا حریف سمجھتا آیا ہے۔

۳- امریکہ و یورپ کی حد تک مغربی دانشور مذہب مخالف رویوں کا حامل نظر آتا ہے۔ وہ ابھی تک مغرب اور اسلام کے تعلقات کو صلیبی جنگوں کے تناظر میں ہی دیکھتا ہے۔

۴- اٹھارہویں انیسویں صدی کا مغربی دانشور فکری برتری کے گھمنڈ میں مبتلا رہا ہے۔ وہ اسلام کو مغلوب اور غلام اقوام کا مذہب قرار دیتا رہا ہے لیکن بیسویں صدی کے اختتام پر امریکہ اور یورپ میں کثیر تعداد میں اہل مغرب کی اسلام میں دلچسپی نے وہاں کے متعصب و مغرور طبقے کو سخت بوکھلاہٹ اور جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی پذیرائی کو روکنے کے لیے اسلام کے خلاف جارحانہ پراپیگنڈے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

۵- سوشلزم کے سیاسی زوال کے بعد مغربی اقوام نے اپنا نیا ہدف اسلام کو بنا لیا ہے۔ سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن نے نیٹو کو برقرار رکھنے کے جواز کے لیے اسلامی خطرے کی نشان دہی کی تھی۔

۶- مسلمانوں کو اپنے فکری تشخص سے محروم کرنا اور انھیں مغرب کے سیکولر فکری دھارے میں شامل کرنا مغرب کا اہم ترین ایجنڈا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کا مسلم ممالک تک پہنچنا اور عالمی بستی کے تصور کا فروغ اس ایجنڈے کے اہداف کو حاصل کرنے کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کو فکری و نظریاتی اساس سے محروم کرنے کے لیے انھیں اسلام سے متنفر کرنا ضروری ہے۔ اس کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں شارع اسلامؐ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔ توہین رسالتؐ کے قانون کی مخالفت اسی پالیسی کی پیروی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

۷- مغربی لابی کے سرمائے سے چلنے والی انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیمیں امریکہ اور یورپی ممالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کو بڑھا چڑھا کر اور خوب نمک مرچ لگا کر بیان کرتی ہیں۔ ان کی طرف سے ارسال کردہ یہ مبالغہ آمیز رپورٹیں جب امریکہ اور یورپ میں پہنچتی ہیں تو وہاں تشویش کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ انسانی حقوق کی ان تنخواہ دار تنظیموں کا وجود اس طرح کی مبالغہ آمیز

رپورٹوں کا ہی مرہون منت ہے۔

۸۔ امریکہ اپنی سائنسی ترقی اور اقتصادی برتری کے نشے میں چور ہے، اس کی سوچ ایک ظالم استحصالی جاگیردار سے مختلف نہیں ہے، جو اپنے علاقے کے چھوٹے کاشتکاروں اور مزارعوں پر رعب داب قائم کرنے کو اپنا فطری استحقاق سمجھتا ہے۔ امریکی "سیکولر" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ پاکستان کے عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کو محض اس بنا پر اپنی ذمہ داری تصور کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہم مذہب ہیں۔

امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ کا وہ حصہ بے حد تعجب انگیز ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے عیسائی باشندے پولیس کے عدم تعاون کی وجہ سے سخت مایوسی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ جہاں تک پولیس کے رویے سے شکایت کی بات ہے، اس کا معاملہ صرف غیر مسلم اقلیتوں تک مخصوص نہیں ہے۔ پاکستان کے مسلم عوام کو بھی ان سے شدید شکایات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مغربی لابی کے زیر اثر کام کرنے والی انسانی حقوق کی تنظیموں کا کردار مجموعی طور پر منفی رہا ہے۔ "شانتی نگر" کے واقعے کی جو جذباتی اور اشتعال انگیز تصویر کشی ان تنظیموں کے نمایندوں نے کی اسے افسوس ناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ رحمت مسیح، سلامت مسیح کے مقدمے سے لے کر "شانتی نگر" کے افسوس ناک واقعے تک انھوں نے صورت حال کی یک طرفہ اور متعصبانہ تصویر کشی کر کے اسے سستی شہرت اور دولت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ انسانی حقوق کے یہ علم بردار ان واقعات کے متعلق مسخ شدہ حقائق کو فوراً ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکہ میں انسانی حقوق کی تنظیموں کے نوٹس میں لے آتے ہیں۔ اس جانب دارانہ مخبری کا انھیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے--- امریکہ کی وزارت خارجہ کی رپورٹ ہو یا ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹ، ان کے اعداد و شمار اور بیانات کا اصل سرچشمہ و ماخذ پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹ ہی ہوتی ہے۔ یہ تنظیمیں پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی مبینہ پامالی کے اکا دکا واقعات کو سنسنی خیز بنا کر تو پیش کرتی ہیں لیکن پاکستان میں اقلیتوں کو جو مراعات، سہولتیں اور عزت و احترام حاصل ہے، اس کا ذکر کبھی نہیں کرتیں جس سے امریکہ و یورپ میں پاکستان میں اقلیتوں کی صورت حال کے متعلق صحیح معلومات نہیں پہنچ پاتیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے اس منفی کردار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان تنظیموں میں غیر مسلم (بالخصوص قادیانی) چھائے ہوئے ہیں۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کبھی کبھار مسیحی اقلیت کو پاکستان کی مسلم اکثریت کے ہاتھوں ناانصافی کا سامنا کرنا پڑا ہو، لیکن اگر مجموعی اعتبار سے پاکستان میں مسیحی برادری سے مسلمانوں کے برتاؤ اور انھیں ملنے والی مراعات کو پیش نظر رکھا جائے تو پاکستان کو کسی بھی مہذب ملک کے سامنے شرمندہ ہونے کی

رپورٹوں کا ہی مرہون منت ہے۔

۸۔ امریکہ اپنی سائنسی ترقی اور اقتصادی برتری کے نشے میں چور ہے، اس کی سوچ ایک ظالم استحصالی جاگیردار سے مختلف نہیں ہے، جو اپنے علاقے کے چھوٹے کاشتکاروں اور مزارعوں پر رعب داب قائم کرنے کو اپنا فطری استحقاق سمجھتا ہے۔ امریکی "سیکولر" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ پاکستان کے عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کو محض اس بنا پر اپنی ذمہ داری تصور کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہم مذہب ہیں۔

امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ کا وہ حصہ بے حد تعجب انگیز ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے عیسائی باشندے پولیس کے عدم تعاون کی وجہ سے سخت مایوسی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ جہاں تک پولیس کے رویے سے شکایت کی بات ہے، اس کا معاملہ صرف غیر مسلم اقلیتوں تک مخصوص نہیں ہے۔ پاکستان کے مسلم عوام کو بھی ان سے شدید شکایات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مغربی لابی کے زیر اثر کام کرنے والی انسانی حقوق کی تنظیموں کا کردار مجموعی طور پر منفی رہا ہے۔ "شانتی نگر" کے واقعے کی جو جذباتی اور اشتعال انگیز تصویر کشی ان تنظیموں کے نمایندوں نے کی اسے افسوس ناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ رحمت مسیح، سلامت مسیح کے مقدمے سے لے کر "شانتی نگر" کے افسوس ناک واقعے تک انھوں نے صورت حال کی یک طرفہ اور متعصبانہ تصویر کشی کر کے اسے سستی شہرت اور دولت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ انسانی حقوق کے یہ علم بردار ان واقعات کے متعلق مسخ شدہ حقائق کو فوراً ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکہ میں انسانی حقوق کی تنظیموں کے نوٹس میں لے آتے ہیں۔ اس جانب دارانہ مخبری کا انھیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے--- امریکہ کی وزارت خارجہ کی رپورٹ ہو یا ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹ، ان کے اعداد و شمار اور بیانات کا اصل سرچشمہ و ماخذ پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹ ہی ہوتی ہے۔ یہ تنظیمیں پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی مبینہ پامالی کے اکا دکا واقعات کو سنسنی خیز بنا کر تو پیش کرتی ہیں لیکن پاکستان میں اقلیتوں کو جو مراعات، سہولتیں اور عزت و احترام حاصل ہے، اس کا ذکر کبھی نہیں کرتیں جس سے امریکہ و یورپ میں پاکستان میں اقلیتوں کی صورت حال کے متعلق صحیح معلومات نہیں پہنچ پاتیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے اس منفی کردار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان تنظیموں میں غیر مسلم (بالخصوص قادیانی) چھائے ہوئے ہیں۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کبھی کبھار مسیحی اقلیت کو پاکستان کی مسلم اکثریت کے ہاتھوں ناانصافی کا سامنا کرنا پڑا ہو، لیکن اگر مجموعی اعتبار سے پاکستان میں مسیحی برادری سے مسلمانوں کے برتاؤ اور انھیں ملنے والی مراعات کو پیش نظر رکھا جائے تو پاکستان کو کسی بھی مہذب ملک کے سامنے شرمندہ ہونے کی

جس طرح حضور اکرمؐ کی تکریم بنی نوع انسان کی تکریم ہے' اسی طرح آپ کی توہین (معاذ اللہ) انسانیت کی توہین ہے۔ انسانیت کے عظیم ترین محسن کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت کے بغیر انسانی حقوق کے کسی بھی چارٹر کی کوئی حیثیت نہیں۔

انسانی حقوق کے حوالے سے "آزادی ضمیر"' "آزادی عقیدہ" اور "آزادی رائے" جیسی اصطلاحات کا بہت کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان خوش کن تراکیب کی من مانی تعبیرات کے ذریعے اسلام اور شارع اسلامؐ پر ناروا تنقید کے جواز مہیا کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ہر شخص کو آزادی خیال' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے' اپنا مذہب یا عقیدے کی تعلیم' اس پر عمل کرنے' اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے"۔ (شق نمبر ۱۸)

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلامداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلالحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے' حاصل کرنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے"۔ (شق نمبر ۱۹)

مندرجہ بالا شقیں بہت واضح ہیں' ان کا کوئی بھی جملہ قانون توہین رسالتؐ سے متصادم یا متعارض نہیں ہے۔ پاکستان میں مسیحی برادری کو اپنے ضمیر اور مذہب کے اظہار کی مکمل آزادی ہے۔ "آزادی رائے" میں جہاں معقول اور مناسب طریقے سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی مکمل آزادی شامل ہے وہاں اس اصطلاح کے دائرہ کار میں کسی دوسرے انسان کی کردار کشی' گالی گلوچ' توہین' دل آزاری' سب و شتم ہرگز شامل نہیں ہے۔ جب "آزادی رائے" کے حق کو کسی دوسرے انسان کی تذلیل تک توسیع نہیں دی جا سکتی تو پھر اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے "توہین رسالتؐ" کے استحقاق کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ انسانی حقوق کے علم برداروں کے لیے یہ ایک کھلا چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ قانون توہین رسالتؐ انسانی حقوق کے منافی آخر کس طرح ہے؟"

انسانی حقوق کا چارٹر ۱۹۴۸ء میں پیش کیا گیا۔ بعد میں جنیوا کنونشن وغیرہ بھی سامنے آئے۔ کسی بھی دستاویز میں توہین رسالتؐ کے خلاف سزا کو انسانی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ درحقیقت Blasphemy (توہین رسالتؐ) اور انسانی حقوق کا ربط اس وقت جوڑا گیا جب شاتم رسول سلمان رشدی ملعون کی "شیطانی فقرے" پر امام خمینیؒ نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلمان رشدی نے اس سے پہلے بھی دو ناول تحریر کیے تھے

لیکن اس کو وہ پذیرائی نہ ملی تھی۔ لیکن اس کے شیطانی ناول کے حقوق پلک جھپکتے ہی کروڑوں میں بک گئے۔ اس ناول میں ملعون رشدی سے خیرا لبشرؐ کے منزہ و پاکیزہ گھرانے پر زہر افشانی کرائی گئی تھی۔ مغرب کی ایک مخصوص صیہونی و عیسائی لابی آج بھی پیغمبرؐ اسلام اور ان کے مقدس گھرانے کے خلاف گستاخانہ جسارتوں پر مریضانہ حظ اٹھاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے مغرب اپنی تمام تر روشن خیالی اور سیکولرازم سے وابستگی کے باوجود مسلمانوں کے خلاف صلیبی دور کا بغض اور کینہ اب تک پال رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے خلاف توہین آمیز سازشوں کی نئی تحریک ننگ اسلام، بے دین "مسلمانوں" کے ذریعے سے برپا کی جا رہی ہے جس کے مہرے سلمان رشدی اور بنگلہ دیشی تسلیمہ نسرین جیسے لوگ ہیں۔ ان کی تمام تر شیطانی ہرزہ سرائیوں کو "انسانی حقوق" کا نام دے کر تحفظ دیا جا رہا ہے۔ "انسانی حقوق" کے لبادے میں مسلمانوں سے "شیطانی حقوق" کو تسلیم کرانے کی مہم زوروں پر ہے۔ "انسانی حقوق کے چارٹر" کو انسانیت کا "متفق علیہ مذہب" بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مسلم دنیا کے خلاف نیا استعماری ہتھیار ہے جسے بے حد مکاری اور منافقت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک قانون توہین رسالتؐ پر دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس کی بنیاد پر غلط مقدمات قائم کیے جا سکتے ہیں، تو یہ اعتراض اصولی طور پر غلط اور غیر منطقی ہے۔ اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو "جرم و سزا" کی دنیا میں کسی بھی تعزیری ضابطے یا قانون کے وجود کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ آج تک کسی بھی قانون کو محض اس بنا پر ختم نہیں کیا گیا کہ اس کے غلط استعمال ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی اچھا قانون ایسا نہیں ہے کہ جس کے غلط استعمال ہونے کا احتمال نہ پایا جاتا ہو۔ قتل، زنا اور چوری جیسے سنگین جرائم کے متعلق قوانین کے غلط استعمال کی خبریں پاکستان اور دیگر ممالک کے حوالے سے آئے روز چھپتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں مقصود نامی ایک بے گناہ نوجوان کو سپریم کورٹ کے حکم امتناعی کے ذریعے پھانسی لگنے سے صرف ۲۴ گھنٹے قبل بچایا گیا ہے۔ لیکن کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پھانسی کے قانون ہی کو یکسر ختم کر دیا جائے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک بے گناہ شخص پھانسی چڑھنے لگا تھا۔ کوئی بھی صاحب فہم و دانش شخص جرائم کی بیخ کنی کے مقصد کے تحت بنائے گئے قوانین کو محض اس بنا پر ختم کرنے کی حمایت نہیں کرے گا کہ بعض افراد اس کا ناجائز استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کا منطقی نتیجہ بھیانک انارکی اور لاقانونیت کی صورت میں سامنے آئے گا۔ کیا ہم استفسار کر سکتے ہیں کہ آخر کس عقلی دلیل اور استخراجی منطق کے تحت حکومت پاکستان سے قانون توہین رسالتؐ کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ انسانی حقوق کے بعض بدنصیب پرچارک یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ قانون توہین رسالتؐ میں سزائے موت کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن ان کا یہ مطالبہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ "توہین رسالت" کا جرم "انسانیت کے خلاف" جرم

ہے۔ بے حد افسوس کی بات ہے کہ وہ منشیات کی اسمگلنگ کو تو انسانیت کے خلاف جرم سمجھتے ہوئے اس کے لیے سزائے موت کو قابل اعراض نہیں سمجھتے لیکن "توہین رسالتؐ" کے قانون پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ درحقیقت انھیں مقام رسالتؐ کا صحیح ادراک و معرفت ہی نہیں ہے۔ وہ آفتاب نبوتؐ کی ضیا پاشیوں کو چھوڑ کر مغرب کے فکری ظلمت کدوں میں بھٹک رہے ہیں۔

پاکستان میں قانون توہین رسالتؐ کو برقرار رکھنا بے حد ضروری ہے کیونکہ:

۱- پاکستان کی ۹۷ فی صد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو قرآن و سنت کو واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کی رو سے توہین رسالتؐ کی سزا موت ہی ہے۔

۲- قانون توہین رسالتؐ مہذب دنیا میں مروج قانونی اقدار و روایات سے ہم آہنگ ہے۔ جب اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کی آبرو اور شخصیت کے تحفظ کے لیے "توہین عدالت" کے قوانین پوری دنیا میں درست تسلیم کیے جاتے ہیں تو پھر نوع انسانی کے سب سے بڑے محسنؐ کی ناموس و آبرو کے تحفظ کے لیے قانون توہین رسالتؐ کیوں نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کی بڑی سے بڑی عدالت کا جج محسن انسانیتؐ کے پائے اقدس کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ امریکہ اور یورپ کے قانونی نظام میں ایک عام فرد کی عزت نفس کا دفاع کرنے کے لیے "ازالہ حیثیت عرفی" کے قوانین شامل ہیں Defamation اور Libelاور Law of tort جیسے قانونی ڈھانچے موجود ہیں۔ جب ایک عام فرد کی عزت و ناموس کے لیے قوانین کے جواز کو تسلیم کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وجہ تخلیق کائنات، محسن انسانیتؐ امام الانبیا، افضل البشر، ایک ارب ۲۰ کروڑ مسلمانوں کی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور، محبوبؐ خدا کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

۳- اسلامی تعلیمات کے مطابق جناب رسالتمابؐ اور تمام انبیاے کرام کا احترام مسلمانوں پر فرض ہے۔ کسی بھی نبی مکرم کی توہین و تحقیر کفر کا درجہ رکھتی ہے۔ قانون توہین رسالتؐ میں دیگر انبیا کی توہین بھی شامل ہے۔ گویا یہ قانون نبی آخر الزمانؐ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے علاوہ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دیگر تمام انبیا کرام علیہم السلام کی آبرو کی حفاظت کا ضامن ہے۔

۴- بائبل اور انجیل کی مصدقہ روایات کی رو سے بھی توہین رسالتؐ کی سزا موت ہے، گویا قانون توہین رسالتؐ مسیحی عقائد کے بھی عین مطابق ہے۔

۵- یہ بات محض مفروضہ، ہیجان خیزی اور بے بنیاد خدشات پر مبنی ہے کہ قانون توہین رسالتؐ پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اطلاق مسلم و غیر مسلم سب گستاخان رسول پر ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور یوسف

کذاب جیسے مسلمانوں کے گھرانوں میں پیدا ہونے والے افراد کو بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

۶- پاکستان کا آئین اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ انصاف کیا ہے۔ قانون توہین رسالتؐ کی روشنی میں قائم کردہ مقدمات کی جانچ پڑتال اور ریکارڈ' شہادتوں کے تجزیے کے بعد ہی کسی ملزم کو سزا دی جا سکتی ہے۔ قانون توہین رسالتؐ ۱۹۸۶ میں معرض وجود میں آیا لیکن عملاً آج تک کسی بھی فرد کو اس قانون کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزائے موت نہیں دی گئی۔ امریکی حکومت اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا واویلا خود ساختہ مفروضات اور درپردہ مذموم عزائم کی پیروی پر مبنی ہے۔

۷- قانون توہین رسالتؐ کسی مارشل لا کے ضابطے کے تحت نہیں بنایا گیا۔ اسے تیرہ کروڑ مسلمانوں کے جمہوری نمایندوں پر مشتمل منتخب پارلیمنٹ نے باقاعدہ قانون سازی کے طریقہ کار کے مطابق منظور کیا ہے۔ پارلیمانی جمہوری نظام میں مقننہ کی بالادستی کے اصول کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

۸- امریکہ یا کسی دوسری ریاست کو بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی تعلقات کے مسلمہ اصولوں کے مطابق پاکستان سے یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون توہین رسالتؐ کو ختم کر دے۔ یہ بات پاکستان کے بیرونی اقتدار اعلیٰ پر حملہ اور اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کے مترادف ہے۔

۹- پاکستان میں بسنے والی مسیحی برادری کی غیر معمولی اکثریت مسلمانوں کے پیغمبر صادقؐ کا احترام کرتی ہے۔ وہ ہر اس بات سے احتراز کرتی ہے کہ جس سے توہین رسالتؐ یا مسلمانوں کی دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر دور میں مسیحیوں اور دیگر غیر مسلموں کی ایک قلیل تعداد توہین رسالتؐ کے جرم کا ارتکاب کرتی رہی ہے۔ یہ لوگ مذہبی جنونی تھے جنھیں ان کے اپنے ہم مذہبوں نے بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ عالمی تناظر میں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے' اس کی روشنی میں یہ خدشہ بے جا نہیں ہے کہ اگر اس قانون کو ختم کر دیا جائے تو پاکستان میں بسنے والے کئی لوگ گستاخانہ جسارتوں پر مائل ہو سکتے ہیں۔

۱۰- عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کا انسانی حقوق کا کمیشن مسلسل یہ پراپیگنڈہ کر رہا ہے کہ قانون توہین رسالتؐ کے تحت قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف قائم کیے جانے والے تمام مقدمات انتقام اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔ دو چار مقدمات کے بارے میں تو ان خدشات کے درست ہونے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا لیکن تمام مقدمات کو بے بنیاد قرار دینا اتنا لغو الزام ہے کہ جس کی تردید کے لیے مفصل دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ صیہونی لابی کے زیر اثر ذرائع ابلاغ نے ہمیشہ اکثریت کے مقابلے میں اقلیت کو معصوم عن الخطا قرار دینے کی پالیسی کو فروغ دیا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پاکستان میں جب کبھی مسلمانوں اور غیر مسلموں

کے درمیان اختلاف کی صورت سامنے آئے گی، قصوروار مسلمان ہی ہوں گے۔ ان کے اس یک طرفہ پراپیگنڈے سے بہت سے شاتمان رسولؐ قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ مغربی صیہونی اسلام دشمن لابی نے گذشتہ چند برسوں میں شاتمان رسولؐ پر انعام و اکرام کی جس قدر بارش کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے قانون توہین رسالتؐ کا موثر نفاذ ضروری ہو گیا ہے۔ سلمان رشدی ملعون اپنے "شیطانی ہفوات" اور بعد میں دیے جانے والے انٹرویو کے بدلے میں دس کروڑ کے لگ بھگ رقم کھا چکا ہے۔ تسلیمہ نسرین جرمنی میں تعیش کی زندگی گزار رہی ہے۔ سلامت مسیح یورپ کی "جنتوں" کی سیر کر رہا ہے۔ اس طرح کے مادی فوائد بہت سے گمراہ نوجوانوں کو آزادی فکر کے نام پر توہین رسالتؐ کے جرم کے ارتکاب کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

۱۲۔ جس طرح اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے موثر قوانین اور ان کے عملی نفاذ کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح اکثریت کے حقوق کے تحفظ کے لیے تحریری قوانین کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ اکثریتی گروہ کی طرف سے رواداری اور تعاون بے حد ضروری ہے لیکن اقلیتی گروہ کو بھی اکثریت کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے توہین رسالتؐ نہایت نازک معاملہ ہے۔ ناموس رسالتؐ پر انھوں نے ہمیشہ جانیں قربان کی ہیں اور آیندہ بھی کریں گے۔ مغرب کے لیے بھی انسانی روش یہی ہے کہ وہ خود بھی اپنی سرزمین پر کسی بھی رسول کی توہین کو قابل تعزیر جرم قرار دے۔ مسلمانوں کو تو قرآن میں دوسروں کے خداؤں کو برا کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے کہ ہمارے معزز اور محترم انبیا کرام کی شان میں گستاخی نہ خود کریں اور نہ کرنے والوں کے سرپرست بن کر سامنے آئیں۔

ترجمان القرآن

امت کے لیے زندگی کا پیغام ہے!

اس پیغام کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کیجیے!!